مقالات

جناب حافظ صلاح الدین یوسف

قسط ۴ (آخری)

زکوٰۃ — فضائل و مسائل

عیسائی مشنریوں کی تبلیغی مہم کو ناکام بنانے کے لیے زکوٰۃ کی رقم کا استعمال

عیسائی حکومتیں عیسائی مشنریوں کی بھرپور امداد کرتی ہیں جس کے بل پر عیسائی مشنریوں نے اسلامی ممالک میں بالعموم اور افریقی ممالک میں بالخصوص عیسائیت کی تبلیغ کے جال پھیلا رکھے ہیں۔ ان مشنری اداروں کے ایسے لوگ بالخصوص ہدف ہوتے ہیں جو مختلف مصائب کا شکار اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں۔ انسانی ہمدردی کے عنوان سے یہ عیسائیت کے پرچارک ان کے قلوب میں اپنی جگہ بناتے ہیں اور پھر انھیں عیسائیت کے فتراک کا نخچیر بنا لیتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلامی حکومتیں ارتداد کی اس مہم سے بالکل بے خبر اور اسلامی تبلیغ کے فریضے سے یکسر غافل ہیں۔ ایسے حالات میں مؤلفۃ القلوب کی مد سے ایسے لوگوں کی امداد کی جا سکتی ہے، اور کی جانی چاہیے جو ان مشنری اداروں کی کوششوں کی وجہ سے عیسائیت کے قریب آ چکے ہوں۔ ان کی مالی امداد کر کے عیسائیت کی محبت ان کے دلوں سے نکالی جائے تاکہ وہ ارتداد کا راستہ اختیار نہ کریں۔ اسی طرح ایسے غریب عیسائیوں کی امداد بھی اس مد سے کی جا سکتی ہے اور کی جانی چاہیے کہ جو مختلف مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہوں اور ان کی مالی امداد سے ان کے قلوب اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید ہو۔

۵۔ گردن چھڑانا گردن چھڑانے سے مراد غلاموں کو آزاد کرنا ہے، جس کا رواج اس دور میں تھا۔ گویا زکوٰۃ کی رقم سے غلام کو خرید کر آزاد کر دینا

یا مکاتبت کی صورت میں اس (مکاتب) غلام کی امداد کرنا جائز ہے، غلامی کا رواج تو اب ختم ہو گیا ہے تاہم بعض حالات میں اس سے ملتی جلتی صورت یہ پیدا ہو سکتی ہے کہ مسلمان اگر دشمن کے ہاں گرفتار ہو جائے تو پھر زکوٰۃ کی مد سے اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑایا جا سکتا ہے، یا اسی نوعیت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو وہاں اس مد کے ذریعے سے امداد کی جا سکتی ہے۔

٦۔ غارمین اس سے مراد وہ شخص ہے جو مقروض ہو، وہ مقروض چاہے کم آمدنی کی وجہ سے ہو، جیسے غریب آدمی، جس کے ذرائع آمدنی تو بالکل محدود ہوں، لیکن زیر کفالت کنبہ بڑا ہو، یا اہلِ خانہ بیمار زیادہ رہتے ہوں علاج معالجے پر کافی خرچ ہو جاتا ہو، اور اس اضافی خرچ کی وجہ سے وہ قرضدار ہو جائے، یا کاروبار میں نقصان ہونے چوری ہو جانے یا آگ لگ جانے کی وجہ سے کوئی شخص مقروض ہو جائے، یا کسی کی ضمانت دینے کی وجہ سے اس کو کچھ رقم دینی پڑ جائے۔ ایسی مذکورہ بہت سی صورتوں میں کئی سفید پوش بھی زکوٰۃ کے مستحق بن جاتے ہیں۔

٧۔ فی سبیل اللہ یعنی راہِ خدا میں" یہ لفظ عام ہے" تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو، اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں لیکن جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ یہاں فی سبیل اللہ (راہِ خدا میں) سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، اس لیے اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو محاذِ جنگ پر دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہوں، یہ لوگ غنی ہوں تب بھی ان پر مالِ زکوٰۃ صرف کرنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ مالِ زکوٰۃ صرف اس غازی پر خرچ کیا جا سکتا ہے جو غریب ہو لیکن قرآن مجید کے اطلاق سے یہ تخصیص درست نہیں رہتی۔ قرآن میں عموم ہے جو ہر غازی کو شامل ہے، چاہے غریب ہو یا غنی۔ اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں مال دار غازی کو بھی زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ الحدیث![1]

یعنی۔ پانچ قسم کے اغنیاء کے علاوہ کسی کے لیے مالِ زکوٰۃ جائز نہیں۔ ان میں سے ایک غنی" غازی فی سبیل اللہ" ہے۔

اسی طرح سامانِ حرب و ضرب خریدنے کے لیے قومی دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔ چنانچہ محمد بن عبدالحکم فرماتے ہیں:

"یعطی من الصدقة فی الکراع والسلاح وما یحتاج الیه من الات الحرب وکف العدو عن الحوزة لانه کله من فی سبیل الغزو ومنفعته وقد اعطی النبیؐ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الصدقة مائة ناقة فی نازلة سہل بن ابی حثمة اطفاء للنائرة"۔

(احکام القرآن لابن العربی ج ۲۔ص ۹۵۷)

یعنی "حاجت وضرورت کے مطابق آلاتِ حرب، گھوڑے اور ہتھیار خریدنے اور دشمن کو اپنے ملک سے دفع کرنے کے لیے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی میں داخل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن ابی حثمہ کے قتل کے سلسلے میں فتنہ وفساد سے لڑائی کا شعلہ سرد کرنے کے لیے زکوٰۃ کے اونٹ خرچ کیے تھے"۔

فی سبیل اللہ کے اس حکم میں حج اور عمرہ بھی داخل ہے، کیونکہ ان کی وضاحت بعض حدیثوں میں آگئی ہے۔ چنانچہ امِ معقلؓ کی روایت میں ہے:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحج والعمرة فی سبیل اللّٰہ"۔

(رواہ احمد)

"آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا فی سبیل اللہ میں حج اور عمرہ داخل ہیں"۔

امام شوکانیؒ اس طرح کی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ فی سبیل اللہ کی مد سے حج اور عمرہ کے لیے جانے والوں کی امداد کی جاسکتی ہے، اوران کے سفر کا سامان وغیرہ تیار کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی جانور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف ہے تو اس پر حاجی اور معتمر سفر کرسکتا ہے"۔ (نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۹۳ باب الصرف فی سبیل اللہ وابن السبیل)

اسی طرح مدارسِ دینیہ پر جہاں فقیر، مسکین اور غریب طلباء تعلیم پاتے ہوں، یا کسی بھی تبلیغی تحریری یا تقریری مد میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے، کیونکہ تبلیغی جدوجہد پر جہاد فی سبیل اللہ صادق آتا ہے۔

۸ - ابن السبیل (مسافر) اس سے مراد وہ مسافر ہے جو اگرچہ اپنے وطن میں صاحب حیثیت ہو، مگر سفر میں اس کے پاس خرچ ختم ہو جائے اور اس کے لیے گھر پہنچنا مشکل ہو جائے، ایسے مسافر پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا جائز ہے۔ اور جو دونوں جگہ محتاج ہو وہ مسافر تو بطریقِ اولیٰ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

قرض دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ کا مسئلہ

قرض پر دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت کیا ہوگی ؟ آیا

(۱) **مالک** (قرض دہندہ) زکوٰۃ ادا کرے کہ مالک حقیقی وہی ہے۔

(۲) مقروض ادا کرے کہ فی الحال اس کے قبضہ و تصرف میں ہے اور اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

(۳) یا زکوٰۃ سے دونوں مستثنیٰ ہوں گے۔

(۴) یا دونوں ہی اپنی اپنی جگہ زکوٰۃ ادا کریں ؟ ؟

آخری صورت کا تو کوئی بھی قائل نہیں، البتہ تیسری صورت کے بعض صحابہؓ و تابعینؒ قائل ہیں کہ قرض پر دی ہوئی رقم پر کوئی زکوٰۃ نہیں، نہ مالک کے ذمے، نہ مقروض کے ذمے۔ اصحابِ ظواہر کا مسلک بھی یہی ہے (ملاحظہ ہو المحلّی، ج ۶، ص ۹۹-۱۰۱ مسئلہ ۶۹۴) اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ دونوں کی ملکیت ناقص ہے، ملکیتِ تامّ کسی کو حاصل نہیں مقروض تو اس لیے اس کا مالک نہیں کہ اس کا قبضہ و تصرف مالکانہ نہیں، عارضی اور بطورِ انتفاع ہے۔ اصل مالک تو قرض دہندہ ہی ہے، وہ جب چاہے اس سے یہ مال واپس لے سکتا ہے۔ اور مالک کو اس لیے ملکیتِ تامّ حاصل نہیں کہ فی الحال واقعتہً مال اس کے قبضہ و تصرف میں نہیں ہے، غیر کے تصرف میں ہے جس سے فائدہ بھی غیر ہی اٹھا رہا ہے۔ اس لیے دونوں ملکیتِ تام سے محروم ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔

اور بعض کے نزدیک مقروض کے ذمے زکوٰۃ کی ادائیگی ہے کیونکہ مال اس کے قبضہ و تصرف میں ہے جس سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ تاہم یہ ساری آراء و مسالک جمہور علماء و فقہاء کے مسلک کے خلاف ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک قرض پر دی ہوئی رقم کی دو صورتیں ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

(۱) قرض کی رقم ایسے شخص کے ذمے ہے جو صاحبِ حیثیت ہے، اور اس کی طرف سے وصولی میں بھی کوئی شبہ اور خطرہ نہیں، اس کی وصولی یقینی ہے۔

(۲) قرض کی رقم ایسے شخص کے ذمّے ہے جو تنگ دست اور مفلس ہے، یا ایسے شخص کے ذمّے ہے کہ جو سرے سے ادائیگی کا ہی منکر ہے اور ایسا کوئی دستاویزی ثبوت بھی نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر وصولی کے لیے قانونی چارہ جوئی ممکن ہو۔

پہلی صورت میں جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قرض دی ہوئی رقم کی باقاعدہ ہر سال اپنے موجود مال کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرے۔ کیوں کہ اس کی قرض دی ہوئی رقم محفوظ ہے، جسے وہ جب چاہے بآسانی وصول کر سکتا ہے اس کو ایسا ہی سمجھا جائے گا گویا یہ رقم بھی اس کے پاس ہے۔

دوسری صورت میں قرض دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ اس وقت ادا کی جائے گی جب وہ وصول ہو جائے، تاہم اس میں یہ اختلاف ہے کہ وصولی کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ دی جائے، یا ایک ہی سال کی زکوٰۃ دی جائے۔ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ صرف ایک سال کی زکوٰۃ اُس وقت ادا کر دی جائے جب وہ رقم وصول ہو۔ اس سلسلے میں احناف کا مسلک البتہ یہ ہے کہ ایسے مال پر سرے سے کوئی زکوٰۃ ہی نہیں ہے۔ نئے سرے سے اس کا حساب کیا جائے گا اور سال گزرنے کے بعد ہی اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

بہرحال صحیح مسلک یہی ہے کہ غیر یقینی رقم کی وصولی کے فوراً بعد ایک سال کی زکوٰۃ نکال دی جائے اور نئے سرے سے سال گزرنے کا انتظار نہ کیا جائے۔

یہی حکم اس مال کا ہوگا جو کسی مقدمے وغیرہ کی صورت میں حکومت کے قبضے میں ہو اور مالک کے تصرف میں نہ ہو۔ حکومت کا قبضہ اٹھ جانے کے بعد جب یہ مال مالک کے قبضے میں آئے گا، تو اس میں ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ اس قسم کے مذکور مال کو مالِ ضمار کہا جاتا ہے، یعنی ایسا مال جو انسان کی مِلک میں تو ہو لیکن اس کا قبضہ و تصرف اس پر نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایسے مال کے متعلق یہی فیصلہ دیا ہے کہ وصول ہونے پر ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ (موطا امام مالک، کتاب الزکوٰۃ۔ باب الزکوٰۃ فی الدَّین)

یتیم، مجنون اور بچے کے مال سے بھی زکوٰۃ نکالی جائے

اس مسئلے میں فقہاء اور علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ مجنون اور یتیم کے مال میں سے زکوٰۃ نکالی جائے یا نہیں؟

(۱) بعض فقہاء کے نزدیک مجنون اور یتیم کے مال سے قطعاً کوئی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

(۲) اور بعض کے نزدیک ان کے ایسے مال سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی جو قابلِ نموّ ہے، جیسے کھیت، جانور یا مضاربت پر لگائی ہوئی رقم اور جو مال نموّ (بڑھوتری) کے قابل نہیں ہے، جیسے سونا چاندی اور نقد رقم تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۳) تیسرا مذہب یہ ہے کہ یتیم اور مجنون اگر صاحبِ جائداد واموال ہیں تو ان کے ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اور یہی مذہب دلائل کی رُو سے صحیح اور قوی ہے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم عام ہے جس سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔ اگر مجنون اور یتیم کو استثناء حاصل ہوتا تو حکم زکوٰۃ سے ان کو ضرور مستثنیٰ کر دیا جاتا لیکن شرعی نصوص میں یہ استثناء نہیں پایا جاتا۔

علاوہ ازیں احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت بھی فرما دی ہے کہ یتیم کے مال کو بغیر تجارت کے نہ چھوڑا جائے کہ زکوٰۃ ہی اس کو ختم کر دے، فرمایا:

"اَلَا مَنْ وُلِّیَ یَتِیماً لَہٗ مَالٌ فَلْیَتَّجِرْ لَہٗ وَلَا یَتْرُکْہُ حَتّٰی تَاکُلَہُ الصَّدَقَۃُ"

(جامع ترمذی کتاب الزکوٰۃ باب ما جاء فی زکوٰۃ مال الیتیم)

یعنی "جو شخص کسی صاحبِ مال یتیم کا والی اور سرپرست بنے، اس کو چاہیے کہ اس کے مال کو تجارت میں لگا دے اور اس کو یوں ہی نہ چھوڑے رکھے کہ زکوٰۃ اس کو کھا جائے"

یہ روایت اگرچہ سنداً کچھ کمزور ہے لیکن دوسری روایات سے اس کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ بلوغ المرام میں یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

"واسنادہ ضعیف ولہٗ شاھد مرسل عند الشافعی" (کتاب الزکوٰۃ)

نیز "تلخیص الحبیر" میں بھی اس کی تائید میں دوسری روایات نقل کی گئی ہیں۔

(دیکھیے کتاب الزکوٰۃ)

ان احادیث کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی یتیم کے مال میں سے زکوٰۃ نکالنے کے قائل ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ لکھتے ہیں کہ کسی بھی صحابیؓ سے صحیح سند سے عدمِ زکوٰۃ کا قول ثابت نہیں:

"لم یثبت عن احد من الصحابۃ رضی اللہ عنہم بسند صحیح عدم القول بوجوب الزکوٰۃ فی مال الصبی"

(تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۲ ص ۱۵)

گویا صحابہ کرامؓ کا مسلک بھی یہی ہے کہ یتیم کے مال میں سے زکوٰۃ نکالی جائے۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ احناف، جو یتیم کے مال میں زکوٰۃ کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ یتیم کے مال میں سے صدقۃ الفطر کی ادائیگی ضروری ہے۔ اسی طرح زرعی پیداوار میں سے عشر ادا کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ اس تفریق کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے کہ یتیم کی زرعی پیداوار میں سے تو عُشر نکالا جائے لیکن اس کے دوسرے مال کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

بہرحال مال کا یہ حق کہ اس میں سے زکوٰۃ نکالی جائے، ہر قسم کے مال پر اس کا اطلاق ہوگا چاہے وہ یتیم کا مال ہو۔ بشرطیکہ وہ مقدار نصاب کا حامل ہو اور "حولانِ حول" ہو چکا ہو۔ مجنون بھی یتیم کے حکم میں ہے اور اس کے والی اور سرپرست کی ذمہ داری ہے کہ اگر وہ صاحبِ اموال و جائداد ہے تو اس کے مال کو کاروبار میں لگائے اور پابندی سے اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اسی طرح کوئی بچہ ہے جو یتیم نہیں ہے، اس کو بطورِ ہبہ یا بطورِ وصیت کہیں سے مال ملے تو مذکورہ شرائط کے مطابق اس میں سے بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

ادائیگیٔ زکوٰۃ کے لیے ملکیتِ تامہ ضروری ہے

زکوٰۃ اس مال میں سے نکالی جائے گی جس میں انسان کو ملکیتِ تامہ حاصل ہو۔ ملکیتِ تامہ کا مطلب ہے کہ وہ مال اس کے دستِ تصرف میں ہو۔ اس کو جس طرح چاہے خرچ کرے، اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس میں کسی اور کا کوئی دخل نہ ہو، اور اس مال کے تجارتی فوائد میں وہ بلا شرکتِ غیرے مالک ہو۔

یہی وجہ ہے کہ بیت المال کی رقم میں زکوٰۃ نہیں، چاہے وہ تعداد میں کتنی ہی ہو اور چاہے وہ سالوں پڑی رہے۔ کیوں کہ وہ قوم کا مشترکہ مال ہے، کسی ایک شخص کی ملکیت میں وہ نہیں ہے۔

- اسی طرح ایسی جائداد کی آمدنی پر بھی زکوٰۃ نہیں جو کسی دینی اور رفاہی مقصد کے لیے وقف ہو، کیونکہ اس میں بھی ملکیتِ تامّہ کسی کو حاصل نہیں۔ البتہ ایسے اوقاف کی آمدنی پر زکوٰۃ عائد ہوگی جو خاص قسم کے ہوں، جیسے وقف علی الاولاد وغیرہ کیونکہ یہ وقف عام نہیں ہیں، ان میں ملکیتِ خاص پائی جاتی ہے۔
- اسی طرح ایسے مال میں زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی جسے حرام اور ناجائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، جیسے غصب اور چوری کا مال، جھوٹ اور فریب سے حاصل کیا ہوا مال، اور رشوت اور سُود کے ذریعے سے حاصل کردہ مال۔ کیوں کہ ایسا مال دراصل انسان کا اپنا نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقت میں انہی لوگوں کا مال ہے جن سے اس نے (ناجائز ذرائع سے) حاصل کیا ہے اور اس کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ جن جن لوگوں سے اس نے یہ مال ہتھیایا ہے، ان کو واپس کرے۔ یہ اس کا اپنا مال نہیں، غیروں کا مال ہے۔ اس میں سے کچھ حصہ بطورِ زکوٰۃ نکال دے اور کچھ اپنے پاس رکھے، اس کی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ کُل کا کُل قابلِ واپسی ہے۔ اگر اصل مالک نہیں ملتے تو ان کے وُرثاء کو دے دیا جائے، ان کا بھی پتہ نہیں چلتا تو سب صدقہ کر دیا جائے۔ یعنی یہ سب کا سب مال قابلِ واپسی یا قابلِ صدقہ ہے، اس میں سے تھوڑا حصّہ بطورِ زکوٰۃ نکال دینا کیونکر جائز ہوگا؟

اللہ تعالیٰ کے فرمان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین سے بھی اس پہلو کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ــــ الاٰیۃ"

(البقرۃ: ۲۶۷)

"اے اہلِ ایمان اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو۔"

جبکہ پاکیزہ (طیّب) کمائی سے مراد حلال ذرائع سے حاصل شدہ کمائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا" الحدیث، رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۲۴۱)

"اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے"

دوسری حدیث میں فرمایا:

"لَا یَقْبَلُ اللہ صدقۃ من غلول" (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ۔ باب ۷
فی الترجمہ۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ باب ۱)

"اللہ تعالیٰ غلول مال میں سے صدقہ قبول نہیں فرماتا"

—— اور غلول کا مطلب ہے چوری اور خیانت کے ذریعے سے حاصل کردہ مال۔

ایسے مال سے زکوٰۃ و صدقات کی عدمِ قبولیت کی وجہ بالکل واضح ہے کہ یہ مال سرے سے اس کا اپنا مال ہی نہیں ہے کہ جس میں اس کو تصرف کا حق حاصل ہو۔ جب کہ صدقہ و خیرات تصرف ہی کی ایک قسم ہے۔ علاوہ ازیں اگر ایسے مال سے بھی صدقہ و خیرات قبول کر لیے جائیں تو پھر تو چوری، خیانت اور ناجائز ذرائع آمدنی کے ذریعے سے کسبِ دولت کی ممانعت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور حلال و حرام دونوں کو یکساں مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت میں دونوں کا مقام ایک نہیں ہے، بلکہ ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہے۔

حرام کھانے والے کی تو عبادت بھی قبول نہیں، حتیٰ کہ اس کی دعا تک بھی مردود ہے۔

شعر و ادب — جناب فضل انبالوی

حمدِ ربِّ ذوالجلال

اے خدائے جلیل ربِّ قدیر — عالم الغیب اور علیم و بصیر
مُغنی المعطی، الوکیل و قوی — خالقِ دوجہاں سمیع و بصیر
نہیں معبود کوئی تیرے سوا — واحد الوالی و علیّ و قدیر
تیرے در کے سبھی سوالی ہیں — جنّ و انسان، پادشاہ و فقیر
تو عفوّ، غفور اور کریم — میں سراپا گناہ، پُر تقصیر
اسی احساس نے بنایا مجھے — حزن و رنج و ملال کی تصویر
بحرِ جُود و سخا عنایت کر — اپنے فضل و کرم کا عُشرِ عشیر